سواردن کو دیکھتے ہی ایک آدمی اُس پڑاؤ سے دوڑا گے بڑھا۔ اوسنے کچھ فضل علی کے کان مین کہا۔ فضل علی کے چہرے سے تشویش کے آثار ظاہر ہونے تھے۔ وہ فیض علی کے پاس گھوڑا بڑھاکے آئے۔ فیض علی سے چپکے چپکے باتین ہوئین

فیض علی۔ آچھا دیکھا جائے گا۔ کھانا تو کھالو۔

فضل علی۔ کھانا کھانے تک کی مہلت نہین ہے۔ ایسے مین نکل چلو۔

فیض علی۔ اچھا جبتک چھولداریان او کھاڑیجائین۔ گھوڑون پر زین کسے جائین ہم لوگ کھانا کھالین۔

مین گاڑی سے اوتری۔ ایک آنب کے درخت کے نیچے دری بچھا دی گئی۔ سالن کی پتیلیان لاکے رکھی گئین۔ گھئی کی تھئی روٹیان موٹی موٹی ٹوکرےلون مین آئین۔ مین فیض علی اور فضل علی تین آدمیون نے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا کھاتے وقت اگرچہ چہرون پر تشویش کے آثار تھے۔ مگر ہنسی مذاق ہوتا جاتا تھا۔ جتنی دیر مین ہم لوگون نے کھانا کھایا۔ چھولداریان اوکھاڑکے ٹٹوؤن پر لادی گئین۔ زین کسے گئے۔

آخر قافلہ چل نکلا۔

دو ہی تین کوس گئے ہونگے کہ بہت سے سوار اور پیدلون نے آکر گھیر لیا۔ ادھر بھی سب پہلے سے مستعد تھے۔ دونون طرف سے گولیان چلنے لگین۔ اس ڑائی مین فیض علی میری گاڑی کے آس پاس رہے۔ مین گاڑی کے اندر بیٹھی ہوئی دعائین پڑھ رہی ہون۔ کلیجہ ہاتھون اوچھل رہا ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی گاڑی کا پردہ کھول کے دیکھ لیتی ہون۔ یہ گرا وہ گرا۔ آخر دونون طرف سے بہت سے آدمی زخمی ہوے۔ ہمارے ساتھ پچاس ساٹھ آدمی تھے۔ (راجہ دھیان کے آدمی بہت سے تھے۔ ایک پر دس ٹوٹ پڑے۔ بہت زخمی ہوے۔ فضل علی اور فیض علی موقع پاکر نکل گئے۔ دس بارہ آدمی اور گرفتار ہوے۔ انھین گرفتارون مین مین بھی تھی۔

ہم لوگون کی گرفتاری کے بعد گاڑیبان نے منت سماجت کرکے رہائی حاصل کی۔

زخمی سوار کو میدان مین ڈال دیا۔ جہان اور لاشین پڑی ہوی تھین۔ وہ تو اپنی جان لے کے راسے بریلی کی طرف روانہ ہوا۔ مردمون کی مشکین کسی گیئن۔ گڑھی کی طرف روانہ ہوے۔ گڑھی وہان سے کوئی پانچ کوس تھی۔ تھوڑی دور جاکے راجہ صاحب اور اون کے ساتھ کے اور لوگ ملے۔ راجہ صاحب خود گھوڑے پر سوار تھے۔ ہم لوگ سامنے گئے۔ میری طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

راجہ۔ یہی بی صاحب لکھنؤ سے آئی ہین۔

مین (ہاتھ باندھ کے) حضور قصوروار تو ہون۔ لیکن اگر غور کیجیے تو ایسا قصور بھی نہین۔ عورت ذات۔ جل فریب سے آگاہ نہین۔ مین کیا جانتی تھی۔

راجہ۔ اب اپنی بے قصوری ثابت کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ قصور آپ کا ثابت ہے جو باتین پوچھی جائین اوسکا جواب دیجیے۔

مین۔ جو حکم حاکم۔

راجہ۔ لکھنؤ مین کہان مکان ہے۔ مین۔ ٹکسال کے پاس۔

راجہ۔ جہان خانم کا مکان ہے۔ مین۔ حضور وہین۔

راجہ۔ (آدمیون کو اشارہ کیا) دیکھو تمت کھیڑہ سے ایک بیل گاڑی لے لو۔ لکھنؤ کی رنڈیان ہین۔ ہمارے دیس کی ہتریان ہون کہ رات بھر محفل مین ناچین اور برات کے ساتھ دس کوس تک ناچتی چلی جائین۔

مین۔ حضور کو خدا سلامت رکھے۔

آدمی گئے۔ کھیڑے سے گاڑی لے آئے۔ پیچھے گاڑی پر بٹھایا۔

اور لوگ اوسی طرح مشکین کسے ہوے ساتھ ساتھ تھے۔

گڑھی مین پھونچکر وہ لوگ نہین معلوم کہان بھیجدیے گئے۔ مین کوٹ مین بلائی گئی۔ ستھرا مکان رہنے کو دیا گیا۔ دو آدمی خدمت کو مقرر ہوے۔ پکّا پکایا کھانا۔ پوریان بکوریان۔ مٹھائیان۔ طرح طرح کے اچار کھانے کو۔ لکھنؤ کے چھوڑنے کے بعد آج رات کو کھانا سیر ہو کے کھایا۔ دوسرے دن صبح کو معلوم ہوا کہ اور قیدی لکھنؤ روانہ کردیے گئے مجکو رہانے کا حکم ہے۔ مگر ابھی راجہ صاحب رخصت نہین کرینگے۔

پھر بھر دن چڑھے راجہ صاحب نے بلا بھیجا۔

راجہ۔ اچھا ہمنے ہمکو رہا کیا۔ فیضو اور فضل علی دونون بدمعاش نکل گئے۔ اور سب نابکار جو گرفتار ہوے۔ لکھنو مین پہونچکر اپنی سزا کو پہونچین گے۔ بیشک تمھارا کوئی قصور نہین ہے۔ مگر آئندہ ایسے لوگون سے نہ ملنا۔ اگر تمھارا جی چاہے تو دو چار دن یہان رہو۔ ہمنے تمھارے گلنے کی بہت تعریف سنی ہے۔

مین۔ (نصیبن کی وہ بات یاد آئی کہ راجہ صاحب کے پاس لکھنؤ کی کوئی رنڈی ہے۔ ہو نہو اوسنے میری تعریف کی ہوگی) حضور نے کس سے سنا۔

راجہ۔ اچھا۔ یہ بھی معلوم ہو جاے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد لکھنو کی وہ رنڈی طلب ہوئی۔ لکھنؤ کی رنڈی کون۔ خورشید جان۔ خورشید دوڑ کے مجسے لپٹ گئی۔ دونون مل کے رونے لگین۔ آخر راجہ صاحب کے خوف سے فوراً علحدہ ہو کر سامنے مودب بیٹھ گئین۔ سازندے طلب ہوے۔ رہائی کی خبر سنکے مین نے ایک حسب حال غزل کہہ لی تھی۔ بہت سے شعر تھے۔ جو شعر اب یاد آتے ہین سنائے دیتی ہون۔ ایک شعر پر راجہ صاحب اور حاضرین جلسہ بہت ہی محظوظ تھے۔ بیخودی کا عالم طاری تھا۔ غزل یہ ہے۔

قیدیِ الفت صیاد رہا ہوتے ہین ؎
خوشنوایان چمن زاد رہا ہوتے ہین ؎
تو بھی چھوٹے تو تری زلف نچھوڑے ہمکو
کوئی ہم اے ستم ایجاد رہا ہوتے ہین
حسرت اے ذوقِ اسیری کہ خفا ہے صیاد
آج ہم با دلِ ناشاد رہا ہوتے ہین ؎
خاطرِ نازکِ صیاد کو برداشت نہین ؎
باعثِ نالہ و فریاد رہا ہوتے ہین ؎
غمِ دنیا نہ سہی اور ہزارون غم ہین
قید ہستی سے کب آزاد رہا ہوتے ہین ؎
کیون نہ رشک آئے ہمین تازہ گرفتارون کا
ہم تو اے لذتِ بیداد رہا ہوتے ہین ؎

اے اداؔ قید محبت سے رہائی معلوم
کب اسیر غم صیّاد رہا ہوتے ہین

مقطع سنکے راجہ صاحب نے پوچھا- اداؔ کسکا تخلص ہے-

خورشید نے کہا- خود اِنھین کی کہی ہوئی ہے- راجہ اور بھی خوش ہوے-

راجہ- اگر ایسا جانتے تو ہم آپ کو ہرگز رہا نہ کرتے-

مین- غزل سے حضور کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اِسی کا تو افسوس ہے- مگر اب تو حضور حکم دے چکے- اور لونڈی آزاد ہو چکی-

اِسکے بعد جلسہ برخاست ہوا- راجہ صاحب اندر رسوئی کھانے چلے گئے- خورشید سے مجھسے خوب باتین ہوئین-

خورشید- دیکھو بہن میرا کوئی قصور نہین- خانم صاحب سے اور راجہ صاحب سے بہت دنون سے لاگ ڈانٹ تھی- راجہ صاحب نے کئی مرتبہ مجھکو بلوایا اونھون نے صاف انکار کر دیا- آخر عیش باغ کے میلے مین اون کے آدمی لگے ہوے تھے- مجھکو زبردستی اوٹھا لائے- جب سے مین یہین ہون- ہر طرح کی میری خاطر ہوتی ہے- سب طرح کا آرام ہے-

مین- موے گنوارون مین خوب تمھارا جی لگتا ہے-

خورشید- یہ بات سچ ہے- مگر تم میری طبیعت کو جانتی ہو- روز ایک نئے شخص کے پاس جانا میرے بالکل خلاف ہے- وہان یہی کرنا پڑتا تھا- خانم کو جانتی ہو- یہان صرف راجہ صاحب سے سابقہ ہے- اور سب میرے حکم کے تابع ہین- دوسرے یہ میرا وطن ہے- یہان کی ہر چیز مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے-

مین- تو تمھارا ارادہ لکھنؤ جانے کا نہین ہے-

خورشید- مجھے تو معاف کرو- یہان اچھی طرح ہون- تم بھی یہین رہو-

مین- یہان تو نہ رہون گی- مجبوری کی اور بات ہے-

خورشید- لکھنؤ جاؤ گی- مین- نہ-

خورشید- پھر کہان- مین- جہان خدا لیجائے-

خورشید- ابھی کچھ دنون رہو- مین- ہان ابھی تو ہون-

پندرہ بیس دن تک مین گڑھی مین رہی۔ خورشید سے روزانہ ملتی تھی۔ خورشید کا دل وہان لگا ہوا تھا۔ میرا جی بہت گھبراتا تھا۔ آخر راجہ صاحب سے مینے عرض کیا۔

مین۔ حضور نے مجھے حکم رہائی دیا ہے۔

راجہ۔ ہان۔ تو پھر کیا جانا چاہتی ہو۔؟

مین۔ جی ہان۔ پھر لونڈی کو رخصت کیجئے۔ پھر حاضر ہو جاؤن گی۔

راجہ۔ یہ تو لکھنوًا فقرے ہین۔ اچھا کہان جاؤ گی۔

مین۔ کانپور۔ راجہ۔ لکھنؤ نہ جاؤ گی!

مین۔ حضور لکھنؤ کیا منہ لے کے جاؤن گی۔ خانم سے کیسی شرمندگی ہو گی۔ ساتھ والیان کیا کیا ہنسین گی۔

اول تو میرا ارادہ لکھنؤ جانے کا نہ تھا۔ دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ لکھنؤ جانے کو اگر راجہ سے کہونگی تو شاید رہائی نہ ہو گی۔ کیونکہ وہان جانے سے خورشید کا حال کھلجاتا شاید خانم کوئی آفت برپا کرتین۔

راجہ صاحب میرے اس ارادے سے بہت خوش ہوے۔

راجہ۔ تو لکھنؤ کبھی نہ جاؤ گی۔

مین۔ لکھنؤ مین میرا کون بیٹھا ہے۔ گانے بجانے کا پیشہ ہے۔ جہان رہونگی کوئی نہ کوئی قدردان نکل ہی آئے گا۔ خانم کی قید مین رہنا اب مجھے منظور نہین۔ اگر وہان رہنا ہوتا تو نکل کیون آتی۔

مین نے راجہ صاحب کو بالکل یقین دلا دیا کہ مین لکھنؤ ہرگز نہ جاؤنگی۔

دوسرے دن راجہ نے مجھے رخصت کیا۔ دس اشرفیان انعام دئے۔ ایک دوشالہ دیا۔ ایک رومال۔ ایک رتھ مع تین بیل۔ غرضکہ مجھے ڈیرہ دار تریا بنا دیا۔ ایک گاڑیبان اور دو اور آدمی میرے ساتھ کیئے۔ اوناؤ کو روانہ ہوی۔ وہان پہنچکر سلارو بھٹیارے کے مکان مین ٹھہری۔ راجہ صاحب کے آدمیون کو رخصت کیا۔ صرف گاڑیبان رہگیا۔ سرشام مین اپنی کوٹھری کے سامنے بیٹھی ہون۔ مسافر آرہے جاتے ہین۔ بھٹیاریان چلا رہی ہین۔ میان مسافر ادھر ادھر۔ مکان چھایا ہوا ہے حقہ پانی کو آرام۔ کھانے پینے کو آرام۔ گھوڑے ٹٹو کے لیے نیم کا سایہ ...."

اتنے مین دیکھتی کیا ہون فیض علی کا سائیس چلا آتا ہے۔ سرا کے پھاٹک ہی سے اوسکی نگاہ مجھ پر پڑی۔ میرے اوسکی چار آنکھین ہوئین۔ وہ سیدھا میرے پاس چلا آیا۔ باتین کرنے کے پہلے میرا حال پوچھا اوسکے بعد مین نے فیض علی کو پوچھا۔ اوسنے کہا۔ اونکو آپ کی [illegible] مین آنے کی خبر مل گئی ہے۔ آج رات کو پہر ڈیڑھ پہر رات گئے ضرور آجائینگے۔ یہ سُن کے میرا دل دھڑکنے لگا۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے اب فیض علی کا ساتھ منظور نہ تھا۔ تخت کھیڑہ کے واقعے کے بعد مین سمجھی تھی اب گلو خلاصی ہو گئی۔ اوس زمانہ مین فیض علی کے ملنے کا سان گمان تک نہ تھا۔ مین نے دل مین کہا۔ پھر آفت کا سامنا ہوا۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ فیض علی میری جان نہ چھوڑینگے۔ رات کو کوئی ڈیڑھ پہر رات گئے فیض علی جان پر نازل ہو گئے۔ معمولی بات چیت کے بعد اوناؤ سے روانگی کا مشورہ ہونے لگا۔ بڑی دیر تک باتین رہین۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ گاڑیبان کو رخصت کرو۔ سائیس گاڑی ہنکا لے گا۔ مین خود گھوڑے کو دیکھ لونگا۔ پھر یہ ٹھہری کہ گاڑی سلارو بھٹیاری کے پاس چھوڑ دو۔ راتون رات گنگا اوس پار اوتر چلو۔ اب مین کیا کر سکتی تھی فیض علی کے بس مین تھی۔ جو اونھون نے کہا مجھے چار و ناچار منظور کرنا پڑا۔ فیض علی نے سلارو کو بلایا۔ کنارے لیجا کے دیر تک باتین کین۔ کوئی آدھی رات گئے اپنے ساتھ گھوڑے پر مجھے بٹھایا۔ سرا سے باہر ہوے۔ پانچ چھ کوس زمین کا چلنا۔ رات کا وقت میرا بند بند ٹوٹ گیا۔ مدتون درد رہا۔ آخر جون تون کر کے گنگا کے کنارے پہونچے۔ بڑی مشکل سے ناؤ تلاش کی۔ اوس پار اوترے۔ فیض علی نے کہا۔ اب کوئی خوف نہین ہے صبح ہوتے ہوتے کانپور پہونچ گئے۔ فیض علی نے مجکو لاٹھی محال کی سرا مین اوتارا۔ خود مکان کی تلاش مین نکلے۔ تھوڑی دیر کے بعد آکے کہا۔ یہان ٹھہرنا ٹھیک نہین ہے۔ مکان ہمنے ٹھہرا لیا ہے۔ وہان چلی چلو۔ ڈولی کرایہ کی۔

تھوڑی دیر مین ڈولی ایک پختہ عالی شان مکان کے دروازے پر ٹھہری۔ فیض علی نے ہمکو یہان اوتارا۔ مکان کے اندر جا کے کیا دیکھتی ہون کہ ایک دالان مین دو کھری چار پائیان پڑی ہین۔ ایک چٹائی بچھی ہوئی ہے اوسپر ایک عجیب قطع کا حقہ رکھا ہوا ہے۔ جسے دیکھتے ہی حقہ پینے سے مجھے نفرت ہو گئی۔ مکان کا قرینہ دیکھ کے دل کو وحشت ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد فیض علی نے کہا۔ اچھا تو مین بازار سے کچھ کھانے کو لے آون۔

مین نے کہا۔ بہتر مگر ذرا جلدی آنا۔ فیض علی بازار کو گئے۔ مین اوسی مکان مین اکیلی بیٹھی ہون۔

اب سُنیے۔ فیض علی بازار کو جو گئے تو وہین کے ہو رہے۔ نہ آج آتے ہین نہ کل۔ ایک گھڑی دو گھڑی۔ پھر دوپہر۔ کہان تک کہون۔ دوپہر گذری۔ شام ہوتے آئی۔ اوناؤ مین سر شام کھانا کھایا تھا۔ رات کو گھوڑے پر چلنے کی تکان۔ نیند کا خمار۔ صبح سے مُنہ پر چلّو پانی تک نہین پڑا۔ ٹکڑا پان تک نہین کھایا۔ بھوک کے مارے دم نکلا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر مین سورج ڈوب گیا۔ اندھیرا ہونے لگا۔ آخر رات ہو گئی۔ یا خدا اب کیا کرون۔ منہ کھول دیا۔ اوٹھ بیٹھی۔ اتنا بڑا دھنڈار مکان۔ بھائین بھائین کر رہا۔ ہیہات خدا کی ذات اور مین اکیلی۔ یہ معلوم ہوتا تھا اب اس کوٹھری سے کوئی نکلا۔ وہ سامنے والے دالان مین کوئی ٹہل رہا ہے۔ کوٹھے پر دھم دھم کی آواز آئی۔ زینے سے کوئی کھٹ کھٹ اوترا چلا آتا ہے۔ دوپہر رات ہو گئی۔ اب تک انگنا گا اور دیوارون پر چاندنی تھی۔ اب چاند بھی چھپ گیا۔ بالکل اندھیرا گھُپ ہو گیا۔ آخر مین دوشالے سے مُنہ لپیٹ کے پڑی۔ پھر کچھ کھٹکا ہوا۔ رات پہاڑ ہو گئی۔ کاٹے نہین کٹتی ہے۔ آخر جون تون کر کے صبح ہوئی۔

دوسرے دن صبح کو تو عجب ہی عالم تھا۔ اب لکھنؤ کی قدر ہوئی۔ دل مین کہتی تھی یا خدا کس مصیبت مین جان پڑی۔ لکھنؤ کا عیش چین اور اپنا گھر یاد آتا تھا۔ ادھر ایک آواز دی ادھر آدمی مستعد۔ حقہ۔ پان۔ کھانا۔ پانی۔ جو کچھ ہو۔ ادھر مُنہ کیا اودھر سامنے موجود۔ خلاصہ یہ کہ آج بھی صبح سے دوپہر ہو گئی اور فیض علی نہ آئے۔

اس حالت مین اگر کوئی نیکبخت بی بی چار دیواری کی بیٹھنے والی ہوتی تو ضرور ہی گھٹ گھٹ کے مر جاتی۔ میرا ہواؤ تو کھلا ہوا نہ تھا۔ مگر پھر بھی سیکڑون مردون مین بیٹھ چکی تھی۔ کانپور ہی سہی۔ لکھنؤ کے تو اکثر گلی کوچون سے واقف۔ یہانکی بھی سرا دیکھی تھی۔ بازار دیکھا تھا۔ اب میری بلا اوس خالی مکان مین بیٹھی رہتی چھپ سے کنڈی کھول گلی مین نکل کھڑی ہوئی۔ دس بیس قدم گھر سے گئی ہونگی کہ دیکھتی کیا ہون کہ ایک شخص سرکاری وردی پہنے گھوڑے پر سوار۔ دس بندہ برق انداز ساتھ۔ اون کے حلقے مین میان فیض علی ہتکڑیان کسی ہوئین

سامنے سے چلے آتے ہین۔ یہ ماجرا دیکھتے ہی مین سن سے ہوگئی وہین ٹھٹک گئی۔ ایک ایک قدم سو سو من کا ہوگیا تھا۔ مگر خیریت یہ ہوئی کہ ان لوگون مین سے کسی کی نگاہ مجھ پر نہین پڑی۔ وہ ٹہلتے ہوے چلے گئے مین ایک گلی مین ہو رہی۔ تھوڑی دور جاکے ایک پتلی سی گلی ملی۔ اس گلی مین ایک مسجد تھی۔ مین نے دل مین خیال کیا کہ سب سے بہتر خدا کا گھر ہے۔ تھوڑی دیر یہین جاکے ٹھہرنا چاہیئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مین دندانہ اندر چلی گئی۔ یہان ایک مولوی صاحب سے سامنا ہوا۔ کالے سے تھے۔ سر منڈا ہوا تھا۔ ایک نیلی تہمت باندھے ہوئے دھوپ مین ٹہل رہے تھے۔ پہلے تو شاید سمجھے کہ مین طاق بھرنے آئی ہون۔ بہت ہی خوش۔ جب مین جاکے جھجکے صحن کے کنارے پاؤن لٹکا کے بیٹھ گئی۔ تو قریب آکے پوچھنے لگے "کیون بی صاحب آپ کا یہان کیا کام ہے؟"

مین۔ مین مسافر ہون۔ "خدا کا گھر سمجھ کے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گئی ہون۔ اگر آپ کو ناگوار ہو تو ابھی چلی جاؤن؟"

مولوی صاحب اگرچہ بہت ہی بے تکے تھے۔ مگر میری لگاوٹ کی نظر اور دلفریب تقریر نے جادو کا اثر کیا۔ بھلا جواب کیا منہ سے نکلتا۔ ہکا بکا ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ مین سمجھ گئی کہ دام مین آگئے۔

مولوی۔ (تھوڑی دیر کے بعد بہت سنبھل کے) اچھا تو آپ کا کہان سے آنا ہوا۔

مین۔ جی کہین سے آنا ہوا۔ مگر بالفعل تو یہین ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔

مولوی۔ (بہت ہی گھبرا کے)۔ مسجد مین۔

مین۔ جی نہین۔ بلکہ آپ کے حجرے مین۔ مولوی۔ لاحول ولا قوۃ۔

مین۔ اوہی۔ مولوی صاحب مجھے تو سوا آپ کے اور کوئی نظر نہین آتا۔

مولوی۔ جی ہان۔ تو مین اکیلا تو رہتا ہون۔ اسی سے تو مین نے کہا۔ مسجد مین آپکا کیا کام ہے۔

مین۔ یہ کیا۔۔۔ خاصیت ہے کہ جہان آپ رہتے ہین۔ وہان دوسرا نہین رہ سکتا۔

مسجد مین ہمارا کچھ کام نہین۔ یہ خوب کہی۔ آپ کا کیا کام ہے۔

مولوی۔ مین تو لڑکے پڑھاتا ہون۔ مین۔ مین آپ کو سبق دونگی۔

مولوی۔ لاحول ولا قوۃ۔